ڈاکٹر اسرار احمد

سُورَۂ هُود

آیات ۱۰۹ - ۱۱۱

نَحمدہٗ ونُصَلّی علٰی رَسُولہِ الکریم ' اما بعد : اَعُوذُ بِاللّٰہِ
مِنَ الشیطٰن الرَّجِیم 'بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیمِ ○

﴿فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ○ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ○ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○﴾

"پس یہ لوگ جن (مزعومہ) معبودوں کی پرستش کر رہے ہیں تم ان کے بارے میں کسی شش و پنج میں نہ پڑ جانا۔ یہ بھی اسی طرح (بے دلیل و بے سند) پوج رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے آباء واجداد پوجتے رہے ہیں۔ اور ہم انہیں دے کر رہیں گے ان کا بھرپور حصہ بغیر کسی کمی کے!! اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی' پھر اس میں بھی اختلاف ڈال دیا گیا۔ اور اگر نہ طے پا چکی ہوتی ایک بات تیرے رب کی جانب سے پہلے ہی سے تو (کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے مابین' اور یقیناً وہ اس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس نے انہیں خلجان میں ڈال دیا ہے۔ اور یقیناً تیرا رب ان سب ہی کو بھرپور صلہ دے کر رہے گا ان کے کرتوتوں کا' یقیناً جو کچھ یہ کر رہے

ہیں وہ اس سے باخبر ہے!"

دنیا میں کسی چیز کا رواج یا چلن ہو جانا اور لوگوں کا کثیر تعداد میں اس کو قبول کر لینا بسا اوقات سادہ لوح لوگوں کے لئے اس مغالطے کا سبب بن جاتا ہے کہ جب اتنے لوگوں نے اسے اختیار کیا ہوا ہے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی دلیل اور معقولیت کار فرما ہو گی۔ یہاں بظاہر آنحضور ﷺ سے خطاب ہے، لیکن دراصل عوام کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم جن مزعومہ معبودوں کی پرستش ہوتے دیکھ رہے ہو، جن کے گن گاتے اور ان کی شان میں قصیدے پڑھتے تم اپنے پنڈتوں، پجاریوں اور پروہتوں کو دیکھ رہے ہو اور جن کی مدح سرائی اور ثنا خوانی میں تم اپنی قوم کے سرداروں کو رطبُ اللِّسان پاتے ہو ان کے بارے میں اس سارے ٹھاٹھ باٹھ اور کرّوفر سے تمہیں یہ مغالطہ نہ لاحق ہونے پائے کہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل یا سند ضرور موجود ہو گی خواہ وہ ہمارے علم میں نہ ہو بلکہ ہمارے فہم سے بھی بالاتر ہو!۔ اس سارے معاملے کی اصل حیثیت ایک رِیت اور رسم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ گویا یہ خالص تقلیدِ اعمیٰ کا کرشمہ ہے۔ ﴿فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰؤُلَاءِ﴾ "پس تم ہرگز دھوکا نہ کھا جانا ان مزعومہ معبودوں کے بارے میں جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں"۔ ﴿مَا يَعْبُدُونَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ﴾ "یہ لوگ نہیں پوج رہے ہیں ان کو مگر اسی طور پر جس طور سے پہلے ان کے آباء واجداد پوجتے رہے ہیں"۔ یعنی بالکل بے دلیل و برہان اور بغیر سند و سلطان۔ جیسے کہ فرمایا سورۃ الحج کی آیت ۷۱ میں: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ یعنی "وہ پوج رہے ہیں اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جن کے لئے نہ کوئی سند یا سلطان اتاری گئی ہے نہ ہی ان کے بارے میں ان کے پاس کوئی حقیقی اور واقعی علم یعنی دلیلِ عقلی یا برہانِ علمی موجود ہے"۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝﴾ "اور

یقیناً ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو ان کا بدلہ بغیر کسی کمی کے ' بلا کم و کاست!!"
ان الفاظ میں شدید وعید بھی پنہاں ہے اور ساتھ ہی ان کے انجام پر حسرت کا اظہار بھی ہے۔ لفظ "نَصِیب" میں حسرت ہے اس بھیانک انجام پر جس سے وہ دوچار ہونے والے ہیں۔ "غَیرَ مَنقُوصٍ" میں وعید کی شدت ہے کہ ان سے کسی قسم کی کوئی رُو رعایت نہ برتی جائے گی اور یہ اپنی گمراہی اور کج روی کا بھرپور صلہ پا کر رہیں گے۔ اس لئے کہ شرک ناقابلِ معافی جرم ہے ' جیسے کہ فرمایا سورۃ النساء میں دو بار یعنی آیت ۴۸ اور آیت ۱۱۶ میں کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُّشرَکَ بِہٖ﴾ یعنی "اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہ فرمائے گا اسے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے!"۔ اسی کیفیت میں مزید شدت کا اضافہ ہے "اِنَّا لَمُوَفُّوھُم" کے کلماتِ مبارکہ میں۔ چنانچہ یہاں "اِنَّا" بھی تاکید کے لئے آیا ہے ' لامِ مفتوح سے تاکیدِ مزید ہو رہی ہے ' پھر "وَفّٰی یُوَفِّی" کے معنی ہیں پورا پورا دینا اور اس میں کسی نوع کی کمی نہ ہونے دینا۔ مزید برآں اس میں بجائے فعل کے اسمِ فاعل کا استعمال کیا گیا جس سے ایک عزمِ مصمم کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا کہ وعید کی شدت اور اس میں تاکید کے اظہار کے لئے جتنے اسلوب عربی زبان میں ممکن ہیں وہ سب کے سب اس چھوٹے سے جملہ میں استعمال ہو گئے---
فَسُبحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشرِکُونَ!!

سورۂ ہود مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اُس وقت تک اگرچہ آنحضور ﷺ کی براہ راست دعوت کا دائرہ تو شہر مکہ یا اس کے گرد و نواح جیسے طائف وغیرہ تک محدود تھا جہاں صرف بنی اسمٰعیل آباد تھے ' تاہم آپ ؐ کی بالواسطہ دعوت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ بالخصوص مدینہ منورہ جو اُس وقت تک یثرب کہلاتا تھا اور جہاں تین بڑے قبیلے آباد تھے وہاں آپ ؐ کی دعوت کا چرچا بھی ہو چکا تھا اور یہود کے علماء اور سردار حضور ﷺ کی مخالفت کا آغاز بھی کر چکے تھے ' اگرچہ یہ مخالفت بھی بالواسطہ ہی تھی یعنی درپردہ مشرکینِ مکہ کی پیٹھ ٹھونک کر اور انہیں آنحضور ؐ کے خلاف طرح

طرح کے الزامات و اعتراضات بجھا کر--- لہٰذا سورۂ ہود کی آیت ۱۱۰ میں ان کی جانب ایک برمحل Reference ہے۔ ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ﴾ یعنی "ہم نے (اس قرآن سے قبل) موسیٰ کو بھی ایک کتاب دی تھی (یعنی توراۃ) لیکن اس میں بھی اختلاف برپا کر دیا گیا"۔ "فَاخْتُلِفَ فِيهِ" کے جامع الفاظ دونوں معانی کے حامل ہیں، یعنی ایک یہ کہ جس طرح آج تم لوگ قرآن کے بارے میں تفرقے میں پڑ گئے ہو کہ یہ منزّل من اللہ ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس وقت توراۃ کے بارے میں بھی یہی جھگڑا کھڑا کیا گیا تھا۔ اس میں گویا اہل مکہ ہی پر تعریض ہے اگرچہ ہے "در حدیثِ دیگراں" کے انداز میں! اور دوسرے یہ کہ توراۃ کے ماننے والوں ہی نے بعد میں اس کی تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے اختلافات کھڑے کیے۔ یہ گویا تنقید ہوئی علمائے یہود پر جو در پردہ مشرکینِ مکہ کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔

یہ تنقید نکھر کر سامنے آئی ہے آیت کے آخری الفاظ میں : ﴿ وَاِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴾ واضح رہے کہ "شک" ایک ذہنی کیفیت ہے، اور "ریب" قلب سے متعلق ہے جس کی قریب ترین ترجمانی خلجان کے لفظ سے ہو سکتی ہے۔ یہ لفظ بہت خوبصورت انداز میں آیا ہے ایک حدیث نبویؐ میں ہے کہ "دَعْ مَا يُرِيبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيبُكَ" یعنی "کسی بھی معاملے میں جس چیز سے دل میں خلجان پیدا ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جس سے دل کو اطمینان حاصل ہو"۔ یہی بات آنحضور ﷺ نے ان الفاظ میں بھی فرمائی کہ "اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ" یعنی "اپنے دل سے بھی فتویٰ طلب کر لیا کرو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کی دعویدار امتیں زوال و اضمحلال کے نتیجے میں اس حالت تک بھی پہنچ سکتی ہیں کہ انہیں خود جس کتاب کے منزّل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے اس کے بارے میں بھی وہ فی الواقع شکوک و شبہات اور ریب و خلجان میں مبتلا ہو جائیں--- یہی بات ہے جو ایک قاعدۂ کلیہ

کے سے انداز میں فرمائی گئی سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۴ میں کہ ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝﴾ یعنی "وہ لوگ جو انبیاء و رسل کے بعد ان کی کتابوں کے وارث بنے وہ اس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس سے ان کے دلوں میں یقین و ایمان کے بجائے ریب و خلجان کی کیفیت پیدا ہو گئی"۔

اس آیہ مبارکہ کے درمیان میں جو الفاظ وارد ہوئے یعنی ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ بعینہٖ یہی الفاظ ذرا سے مزید اضافے کے ساتھ سورۃ الشوریٰ کی متذکرہ بالا آیت میں بھی آئے ہیں یعنی ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی اور حکمتِ بالغہ میں جس طرح ہر ہر فرد کی اجل معین ہے اسی طرح اقوام و ملل کی مہلت بھی پہلے سے طے شدہ ہے' لہٰذا اس کی جانب سے پکڑ اور سزا فوری طور پر نہیں آتی اور اسے بہرصورت اس اجلِ معین تک ڈھیل ملتی رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان نابکاروں کے جرائم تو واقعتاً ایسے ہیں کہ ان کا حساب کبھی کا چکایا جا چکا ہوتا اور ان کا قصہ کبھی کا پاک کیا جا چکا ہوتا۔ واضح رہے کہ ان الفاظ میں جو زجر و توبیخ اور وعیدِ شدید مضمر ہے اس کا رخ دونوں جانب ہے' یعنی یہود اور ان کے علماء کی جانب بھی اور اہل مکہ اور ان کے سرداروں کی جانب بھی۔ چنانچہ یہ بات اگلی آیت یعنی آیت ۱۱۱ میں بالکل کھل کر سامنے آ گئی یعنی ﴿وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ﴾ یعنی "ان سب ہی کو تیرا رب ان کے اعمال کا بھرپور صلہ دے کر رہے گا!"۔ لفظ "کُل" ویسے تو بہت ہی عام ہے یعنی یہ جزا یا سزا ہر ہر فرد کو بھی ملنے والی ہے اور ہر ہر قوم اور امت کو بھی' لیکن یہاں خاص طور پر مراد ہیں بنی اسماعیل جن میں بعثت ہوئی آنحضور ﷺ کی' جن پر نازل ہوا قرآن حکیم --- اور بنی اسرائیل جن کو ملی تھی توراۃ جو عطا فرمائی گئی تھی حضرت موسیٰؑ کو۔ یہ وعیدِ شدید دو آتشہ ہو گئی ہے

آیت کے آخری الفاظِ مبارکہ ہے : ﴿اِنَّہٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝﴾ یعنی "یقیناً تیرا رب باخبر ہے اس سے جو کچھ کہ یہ کر رہے ہیں"۔ یعنی اس مغالطے میں کوئی نہ رہے کہ ان کے کرتوت کسی کی نگاہ میں نہیں ہیں' یہ اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں ہے' بلکہ ایک حکیم و دانا اور علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہستی کا بنایا ہوا محکم نظام ہے جس میں کوئی شے' حتیٰ کہ گھاس کا ایک تنکا بھی بے مقصد اور بغیر حکمت نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ ہو رہا ہے عبث اور بے نتیجہ رہنے والا نہیں ہے بلکہ قانونِ مجازات بھرپور طور پر نافذ ہو گا اور ہر ایک کو اپنے کیے کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝۝

بقیہ : لغات و اعراب قرآن

قرآن کریم میں آگے چل کر یہ تمام استعمالات ہمارے سامنے آئیں گے اور ان پر مزید بات اپنے اپنے موقع پر ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ "سألتم" اس فعل مجرد سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور یہاں "سأل یسأل" "مانگنا اور طلب کرنا" کے معنی میں ہے۔ یہاں پہلا مفعول (کس سے مانگا؟) محذوف ہے بلکہ دوسرے مفعول (جو مانگا؟) یعنی "مَا" کی ضمیر عائد بھی محذوف ہے یعنی "مَا سألتم" دراصل (مقدر) "مَا سألتموناہ" تھا یعنی "وہ جو تم نے ہم سے مانگا تھا" "جو تم مانگتے ہو ہم سے"۔ اس طرح "مَا سألتم" کا لفظی ترجمہ تو ہے "وہ جو تم نے مانگا" اسی کو سیاق عبارت کی بنا پر اردو محاورے کے مطابق ماضی کی بجائے فعل حال سے ترجمہ کیا گیا ہے یعنی "جو مانگتے ہو' جو کچھ مانگتے ہو" اور "جس (چیز) کی تم درخواست کرتے ہو" کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض نے اصل فعل ماضی کے ساتھ ہی ترجمہ کر دیا ہے یعنی "جو تم نے مانگا" کی صورت میں۔

(جاری ہے)